Part-1 

29-10-2018

باتیں فلک کی

مفتی منیب الرحمٰن

بیسویں صدی میں جب ریڈیو پاکستان کی آواز گھر گھر اور گلی گلی سنائی دیتی تھی، بسوں، دکانوں اور چائے خانوں پر نہ چاہتے ہوئے بھی یہ مصرع سماعتوں سے ٹکراتا تھا: ''باتیں فلک کی، قصے زمیں کے، جھوٹے کہیں کے''۔ شاید یہ ہماری اپنی داستان تھی۔ ہم تضادات کا مجموعہ ہیں، خود فریبی کا شکار ہیں، بلند بانگ دعوے کرنا ہمارا شعار ہے، دیواروں پر نعرے لکھے ہوتے ہیں: ''کشمیر کی آزادی تک، امریکہ کی بربادی تک، جنگ رہے گی جنگ رہے گی'' اور ہم اپنی بربادی کا سامان کرتے رہتے ہیں، قرضوں کے بار کی وجہ سے ہماری معیشت کا دم گھٹ رہا ہے۔ ہم نہ جناب وزیر اعظم کے عاشق زار ہیں نہ بدخواہ، اسے عربی میں ''شماتت'' کہتے ہیں، یعنی اپنے مخالف کو تکلیف میں دیکھ کر خوش ہونا۔ ہماری وفاداری اسلام اور پاکستان کے ساتھ ہے، ہمارا کام ''اَلنَّصِیحَہ'' یعنی خیر خواہی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: ''جہاں تک ہوسکے، میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں، یہ توفیق مجھے اللہ سے عطا ہوئی، میں نے اُسی پر بھروسا کیا اور میں اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں، (ہود:88)''۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دین خیر خواہی کا نام ہے، صحابہ نے عرض کیا: کس کی خیر خواہی؟، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ، اُس کی کتاب، اُس کے رسول، مسلم حکمرانوں اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی، (صحیح مسلم:55)''۔ ناصحِ مُشفق کا کام ہر صحیح بات کی تحسین کرنا اور ہر غلط بات پر ٹوکنا اور متنبہ کرنا ہے۔

ہم موجودہ حکومت کی کامیابی کے خواہاں ہیں، کیونکہ ملک وملت کا مفاد اسی میں ہے۔ لوگوں نے حکومت سے جو امیدیں وابستہ کی ہیں، خدانخواستہ ناکامی کی صورت میں وہ سارے آبگینے چکنا چور ہوجائیں گے اور قوم قنوطیت کا شکار ہوجائے گی۔ بدھ کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ وزیر اعظم سعودی عرب سے اچھی خبر لے کر آئے ہیں کہ وہ ہمارے زرِمبادلہ کو سہارا دینے کے لیے تین ارب ڈالر اسٹیٹ بنک میں جمع کرائے گا اور تین سال کے لیے سالانہ ایک ارب ڈالر کا پٹرول ادھار دے گا، اگر اتنی ہی رقم آئی ایم ایف سے اُن کی شرائط پر قرض لی جاتی تو عوام کو کمر توڑ مہنگائی کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کے ''مبین السُّطور'' اور ''مافِی الصُّدور'' کیا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ بعض صحافی اور تجزیہ کار کھود کرید میں لگے ہوئے ہیں، دیکھیے! اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا۔ ہماری پستی کا عالَم یہ ہے کہ آذربائیجان نے بھی ہمیں دس کروڑ ڈالر کے قرض کی پیش کش کی ہے۔

Part-2

یہ امر ملحوظ رہے کہ ڈالر کی واپسی ڈالر میں ہوگی، پاکستانی کرنسی میں نہیں ہوگی اور جب تک ڈالر کمانے کی تدبیر نہ سوجھے، زرمبادلہ کا بحران نہیں ٹلے گا، جناب عمران خان بجا طور پر سابق حکومت پر طعن کرتے تھے کہ انہوں نے پانچ سالوں میں قرضوں کا حُجم پندرہ ہزار ارب سے اٹھائیس ہزار ارب تک پہنچا دیا ہے، مگر لگتا ہے کہ موجودہ حکومت پہلے ہی سال میں پچھلی حکومت کا ریکارڈ توڑ دے گی اور پھر قرضوں کی اقساط کی مع سود ادائیگی ہمارے سالانہ بجٹ کو جونک کی طرح چاٹتی رہے گی اور یہی ورثہ حسبِ روایت آنے والی حکومت کو منتقل ہوگا، اِلّا یہ کہ قدرت کو ہمارے حال پر رحم آجائے اور کوئی معجزہ رونما ہو جائے، بظاہر اس کے اسباب معدوم ہیں۔

کوئی بدنصیب ہی ہوگا جو یہ چاہتا ہو کہ ایک کروڑ پاکستانیوں کو روزگار نہ ملے اور پچاس لاکھ گھر نہ بن پائیں۔ لیکن درخواست فارم کے علاوہ ''نیا پاکستان ہاؤسنگ اسکیم'' کی کوئی عملی صورت نیٹ پر دستیاب نہیں ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے ہاں اخباری کالموں اور ٹیلی ویژن چینلوں پر تجزیوں اور مباحثوں کا من پسند موضوع سیاستِ دوراں ہوتا ہے، کیونکہ قارئین اور ناظرین کو اپنے ساتھ جوڑے رکھنا ان کی مجبوری ہے، آج کل تفریحی ڈراموں کے مقابلے میں یہ ناٹک زیادہ پاپولر ہے، پس پاپولزم اُن کی مجبوری ہے، نہ بین الاقوامی سیاست اور نہ معیشت پر کوئی عالمانہ اور ماہرانہ تجزیے پڑھنے اور سننے کو ملتے ہیں۔

بظاہر یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے لیے بنک اور بیرونی سرمایہ کار قرضے فراہم کریں گے، ایسی صورت میں بنکوں کا کنسورشیم یا سنڈیکیٹ بنتا ہے اور ہر بنک اپنے سائز کے مطابق اس میں حصہ لیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ منصوبہ سازوں کی سوچ کے مطابق اس منصوبے پر عمل درآمد شروع ہوگیا ہے، دس لاکھ روپے فی مکان کے حساب سے تخمینہ پانچ کھرب اور پندرہ لاکھ کے حساب سے ساڑھے سات کھرب بنتا ہے، روپے کی قدر میں گراوٹ اور مہنگائی کی شرح میں اضافے کے پیشِ نظر اختتام تک اس کی مقدار میں کافی اضافہ ہو سکتا ہے۔ بنکوں کے پاس پیسہ عوام کا ہوتا ہے اور وہ اس کے امین ہوتے ہیں، اندھے کنویں میں مال پھینکنے کا کوئی روادار نہیں ہوتا، اس کے لیے ٹھوس ضمانت اور پائیدار اثاثے درکار ہوتے ہیں، جن سے بعد میں ممکنہ نقصانات کی تلافی ہو سکے۔ اسٹیٹ بنک سے معلوم کر لیا جائے کہ زراعت کے تقاوی قرضوں، ماضی میں ییلو کیب منصوبے اور نوجوانوں کو روزگار کے لیے قرضوں کی واپسی کا ریکارڈ کیا ہے۔ یہاں تو بعض نامی گرامی سیاست دان کروڑہا روپے کے قرض معاف کرا کے آج شریکِ اقتدار ہیں، کسی نے ان سے ماضی کا حساب نہیں لیا، کیونکہ آج حریف کو پچھاڑنے کے لیے ان کی مدد درکار ہے۔ ہمارے بنکوں کی خسارے برداشت کرنے کی صلاحیت بھی بظاہر بہت زیادہ نہیں ہے، تو کیا آخرِ کار حکومت ہی یہ سرمایہ مع منافع ادا کرے گی، اگر حکومت میں اتنی سکت ہے تو وہ خود اپنے وسائل سے یہ کام شروع کر دے، جبکہ گشتی قرضوں کے علاوہ اور بھی کئی ہاتھی پہلے سے حکومت نے پال رکھے ہیں۔ ہر حکومت اپنے سے ماقبل حکومت کو کوستی ہے، لیکن اس جال سے نکلنے کی کوئی تدبیر آج تک سامنے نہیں آئی، کیونکہ ہر دور کی اپوزیشن ان معاملات میں حکومت کے مخالف آکھڑی ہوتی ہے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ حکومت پارلیمنٹ میں نمائندگی رکھنے والی تمام سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لے اور برسوں سے الجھے ہوئے پیچیدہ مسائل کے حل کے لیے سب اتفاق رائے سے منصوبہ بنائیں تاکہ محض حکومتِ وقت پر چاند ماری کرنے کے بجائے سب اس کے اسٹیک ہولڈر بنیں اور ذمے داری قبول کریں، کیونکہ یہ منصوبہ وقتی طور پر یقیناً مقبول ہوگا، مگر اس کے عواقب توقعات کے برعکس بھی ہو سکتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے ہاں سیاسی عداوت کا گراف ہمیشہ اتنا بلند رہتا ہے کہ حریف سیاستدانوں کا باہم مل بیٹھنا دشوار ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ ایک دوسرے کے



وجود کو ایک پل کے لیے بھی گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ماضی میں 1965 کی جنگ، پاکستان کے دولخت ہونے کے بعد شملہ مذاکرات اور نیشنل ایکشن پلان مرتب کرنے کے مواقع کی چند مثالیں بہر حال موجود ہیں۔

ہمارا دوسرا تضاد یہ ہے کہ ہم دعویٰ ریاستِ مدینہ کا کرتے ہیں اور حوالے برطانیہ اور یورپ کے دیتے ہیں، وہی بات: ''باتیں فلک کی، قصے زمیں کے، جھوٹے کہیں کے''۔ قوم کے نام پہلے خطاب میں جناب وزیرِ اعظم نے ریاستِ مدینہ کے مثالیے کو پاکستان میں نافذ کرنے کا دعویٰ کیا تو مختلف ماہرین اور مہربانوں نے ریاستِ مدینہ کے خدوخال پر کالم لکھنے، سیمنار اور کانفرنسیں منعقد کرنے کا ایک تسلسل شروع کر رکھا ہے، اس سارے مواد کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، کیونکہ ہر طبقے کو اپنے وجود کا احساس دلانا ہوتا ہے۔ ہمارے ماہرین ایک تخیلاتی دنیا یعنی یوٹوپیا تشکیل دیتے ہیں اور پھر اس کے فضائل ومناقب بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں، وہ اس کی طرف آتے ہی نہیں کہ معروضی حالات میں ان کی پیش کردہ سفارشات کو کیسے نافذ کیا جائے گا، کون نافذ کرے گا، کس پر کرے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول: ''زانی پر پہلا پتھر کون پھینکے گا'' یاد آتا ہے۔ سو ہم معروضی حقائق سے صَرفِ نظر کر کے خلا میں بیٹھ کر زمین کے لیے منصوبے بنا رہے ہوتے ہیں۔

بہتر ہے کہ یہ سارے یوٹوپین یا تخیلاتی دنیا کے سیلانی زمین پر اتر کر عملی منصوبہ بنائیں، پچاس لاکھ کے بجائے پہلے ایک لاکھ سے شروع کریں اور پھر برسرِ زمین ان کے نتائج، وصولی کی شرح، معیار اور افادیت کا تجزیہ کریں۔ اگر اسکیم میں کوئی خامی یا کمزوری نظر آئے تو اس کی اصلاح کر کے آگے کے لیے عملیت پسندی پر مبنی حکمتِ عملی بنائیں۔ مشہور محاورہ ہے: ''بہتر انجام کی امید رکھو، مگر بدتر کے لیے تیار رہو'' تاکہ آگے چل کر مایوسی کا شکار نہ ہونا پڑے۔ اگر کوئی اچھا مشورہ دے تو اس پر غور فرمالیں، ناپسندیدہ لگے تو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیں، لیکن اس سوچ کو ذہن سے کھرچ لیں کہ آپ سے اختلاف کرنے والا ہر شخص آپ کا بدخواہ ہی ہوگا، وہ آپ کا بہی خواہ بھی ہو سکتا ہے۔

ہم یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ ہماری معیشت کن اصولوں پر قائم ہے، ہمارے اہداف کیا ہیں، کیا پاکستان ہمیشہ ایک سیکورٹی اسٹیٹ رہے گا یا فلاحی ریاست کا روپ دھارے گا، ہم ابھی تک اپنی معیشت کا کوئی ماڈل بھی نہیں بنا سکے، جس کی پہچان پاکستان ہو، جو پاکستانی ذہنوں کی ساختہ ہو، اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور وعید ہے: ''بے شک تکلیف کے بعد آسانی ہے، بے شک تکلیف کے بعد آسانی ہے، (الشرح: 5-6)''۔ (2): ''سو جس نے انفاق کیا، تقویٰ اختیار کیا اور نیک باتوں کی تصدیق کی تو ہم اسے جنت تک رسائی دیں گے اور جس نے بخل کیا، بے پروا رہا اور نیک باتوں کو جھٹلایا، تو ہم برے انجام تک اس کی رسائی آسان بنا دیں گے، (الیل: 10-5)''۔ آپ ﷺ نے طویل حدیث میں فرمایا: تم (نیک) کام کیے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو جس انجام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس کے لیے اُسے آسان بنا دیا جائے گا، سو جو کوئی اہلِ سعادت میں سے ہے، اس کے لیے جنت کا عمل اور جو کوئی اہلِ شقاوت میں سے ہے، اس کے لیے جہنم کا عمل آسان کر دیا جائے گا، (صحیح البخاری: 4949)''۔ بدھ کی شام قوم سے خطاب میں جناب وزیرِ اعظم نے قوم کو امید دلائی کہ ہم دباؤ سے نکل رہے ہیں، قدرت نے بھی یاوری فرمائی کہ سعودی صحافی جمال خاشقجی کے قتل کے بعد سعودی عرب کو عالمی دباؤ سے نکلنے کے لیے دوستوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ چین اور ملائشیا کے دورے کے بعد مزید اچھی خبریں ملیں، لیکن واضح رہے کہ قرض اور امداد میں فرق ہے، قرض کی واپسی بہر صورت لازم ہے، سو قرض لینے سے پہلے واپسی کی امکانی استعداد پر ضرور غور کرنا چاہیے، ورنہ حقیقت پسندانہ حل اپنے وسائل کے اندر رہ کر جینا ہے۔

(روزنامہ دنیا، 29 اکتوبر 2018ء)